انجمن ترقی اردو ہند کا ہفت وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۲۔ شمارہ ۳۹ | ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور | ۱۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء

اداریہ

یوم سرسید

ہر سال ۱۷ر اکتوبر کو علی گڑھ اور دوسرے مقامات پر یوم سرسید منایا جاتا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اپنے ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اس موقع پر شب کے کھانے میں شریک ہوں گے۔

سرسید نے ہندوستان کے مسلمانوں کی جو خدمت کی یہاں اس سے بحث نہیں۔ مگر انھوں نے اردو زبان و ادب پر جو احسانات کئے ہیں ان کا پورا اعتراف کرنا ہے۔ سرسید سے پہلے اردو نثر بیشتر افسانہ و افسوں کے لئے وقف تھی، سرسید نے اسے صحیح معنی میں علمی زبان بنایا۔ انھوں نے نہ صرف خود اردو ادب کے سرمائے میں کئی گراں قدر تصانیف کا اضافہ کیا، بلکہ اپنے گرد ایسے چاند ستارے جمع کر لئے جن کی روشنی سے برسوں کا اندھیرا دور ہوا۔ ان کی سائنٹفک سوسائٹی نے جدید علوم کے سرمائے کو اردو میں منتقل کرنے کی بڑی وسیع کوشش کی۔ ان کے گزٹ نے اردو صحافت کا رخ بدل دیا۔ ان کے تہذیب الاخلاق نے اردو مضمون نگاری کو جو بالکل ابتدائی حالت میں تھی، کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ انھوں نے ورناکیولر یونیورسٹی کی ایک اسکیم بھی تیار کی تھی۔ گو بعد میں انھوں نے اپنی ساری توجہ انگریزی کے ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم پر صرف کر دی، مگر ان کا ارادہ ایک ایسا ادارہ بھی قائم کرنے کا تھا جو اردو کے ذریعہ سے تعلیم دے۔ ان کی نثر میں شاعری یا ساحری کے بجائے اپنے دل کی بات دوسروں کے دلوں تک پہنچانے کی صلاحیت ہے۔ اور بقول مہدی افادی نازک سے نازک مسائل کو باتوں ہی باتوں میں بیان کر دینے" کی قدرت ہے۔ آج ضرورت ہے کہ سرسید کے اس کارنامے کو نہ صرف یاد رکھا جائے، بلکہ اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے ان کا سا عزم ولولہ اور جوش دکھایا جائے۔

بہار اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس

۷ر اکتوبر کو پٹنے میں بہار اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس کا جو اجلاس بہار کی ریاستی شاخ کے زیر اہتمام ہوا اس کی کئی پہلوؤں سے بڑی اہمیت ہے۔ اس کانفرنس میں بہار کے اردو دوستوں نے ریاستی حکومت کو اس کے فرض سے آگاہ کیا مگر اسی پر بس نہیں کیا۔ اس نے خود یہ طے کیا کہ وہ ساری ریاست میں اردو کے ابتدائی اسکولوں کا ایک جال بچھا دے گی۔ خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلے میں بڑی حد تک اعداد و شمار بھی اکٹھا ہو گئے ہیں اور اکیاون ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بھی اس کام کو چلانے کے لئے بنا دی گئی ہے۔ کانفرنس میں بغیر مانگے ابتدائی انتظامات کے لئے اٹھارہ سو روپے کی رقم بھی فراہم ہو گئی۔ اس میں مرکزی انجمن کا پانچ سو روپے کا عطیہ بھی شامل ہے۔

دوسری ریاستی شاخوں کو بہار کی تقلید کرنی چاہیے اور اپنی نگرانی میں اردو ابتدائی اسکول کھولنے چاہئیں، ہر چیز کیلئے حکومت پر تکیہ کرنا نامناسب ہے۔

بہار کی انجمن کے کارکن اپنے صدر محمد ایوب ایڈووکیٹ کی قیادت میں بڑا مفید کام کر رہے ہیں۔ ان کی حمایت و اعانت سب اردو دوستوں کا فرض ہے۔

اس اشاعت میں

یوم سرسید (اداریہ) ۱
بہار اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس ۱
اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس بہار کا خطبۂ صدارت ۲
تذکرۂ گردیزی ۳ و ۴
غزل ۵
سرسائی کنونشن اتر پردیش کی مجلس استقبالیہ ۶
ہندوستان میں امریکی تعلیمات کے مرکز کا قیام ۶
اردو ذریعہ تعلیم کا انتظام ۶
شہر میسور میں پہلا اردو ترقی پریس ۵
اشتہار: دی سنٹرل لاء ہاؤس لمیٹڈ، حج سروس ۱۹۶۳ء ۶ و ۷
کوہ نور کی کہانی ۸
مولانا سید کلب حسین کا انتقال ،،
اردو کے لئے آئینی جدوجہد مفید ہے ۹ و ۱۰
بہار ریاستی اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس ۱۱
اردو ابتدائی تعلیم کانفرنس بہار کا خطبۂ صدارت (بقیہ) ۱۲

پروفیسر آل احمد سرور

اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس بہار کا خطبۂ صدارت

بزرگو، دوستو اور عزیزو!

آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس کانفرنس کی صدارت کے لئے یاد کیا۔ ہماری کانفرنسیں اب رسمی ہوتی جاتی ہیں۔ ان کی قرار دادوں میں الفاظ بہت ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے قوت کم ہوتی ہے۔ کانفرنسوں کے خطبوں کا بھی ایک طریقہ بن گیا ہے۔ مثلاً اُردو کانفرنس کے جلسے میں اُردو زبان کی تاریخ کا بیان، مشترک تہذیب میں اس کا شاندار کارنامہ، موجودہ دور کی مشکلات، حکومت کی بے پروائی اور بے حسی کا رونا، بیٹوں کے جذبات سے اپیل اور ایک شاندار مستقبل کی پیشین گوئی، قرار دادوں کا بھی ایک بنا بنایا سانچہ ہے جن میں بیشتر حکومت سے مطالبہ ہوتا ہے اپنے فرائض پر توجہ کم ہوتی ہے۔ قرار داد جتنی شاندار ہو اچھا ہے، کیونکہ اس پر عمل کرانے کا دھیان کسے آتا ہے۔ گویا ہماری زندگی اب یہ ہو گئی ہے کہ ایک خطبۂ صدارت سے دوسرے خطبۂ صدارت تک، ایک کانفرنس سے دوسری کانفرنس تک اور ایک قرار داد سے دوسری قرار داد تک ہماری زندگی ناپی جا سکتی ہے۔

لیکن آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ کی یہ کانفرنس رسمی کانفرنسوں سے مختلف ہے۔ اس میں حکومت کے قصر و ایوان تک ہی نظر نہیں ہے، اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کا عزم بھی ہے۔ اس میں حکومت سے مطالبات کے ساتھ اُردو دوستوں سے بھی مطالبہ ہے۔ اس میں خود کچھ کرنے کا ولولہ ہے۔ آپ میں سے بہت سوں نے بچپن میں اسمٰعیل میرٹھی کی نظم "بارش کا قطرہ" پڑھی ہوگی۔ جب ایک ولادر قطرہ زمین پر کھیل جاتا ہے تو دوسروں کو بھی ہمت ہوتی ہے اور دیکھتے دیکھتے پیاسی زمین سیراب ہو جاتی ہے۔ آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ خود ایسے ابتدائی اسکول کھولیں گے جن میں اُردو ذریعۂ تعلیم ہوگی۔ یہ کام بڑا ارمان چاہتا ہے۔ اس میں سیکڑوں مشکل مقام آئیں گے۔ اس میں ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑے گا جو پلیٹ فارم پر بڑی ہمدردی جتاتے ہیں مگر عمل کی دنیا میں کچھ نہیں کرتے۔ ایسے بھی ملیں گے جو بلا وجہ مخالفت کریں گے۔ کچھ لوگ آپ کے کام کو شبہے کی نظر سے دیکھیں گے اور اس میں ملک و قوم کے لئے کتنے ہی خطرے گڑھ لیں گے۔ آپ کو سلامت روی سے ان منزلوں سے گزر جانا ہے۔

سالک کے لئے مقامات کی منزل سب سے کڑی ہوتی ہے۔ کہیں ...... ایسا نہ ہو کر آپ مقامات میں ہی گم ہو جائیں۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ آج ملک میں اُردو دشمنی کی فضا کم ہے مگر اُردو کے ساتھ انصاف ابھی تک نہیں ہوا۔ یوں تو دستور میں لسانی اقلیتوں کے لئے جو تحفظات درج کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ خاصے جامع ہیں۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ہر دستور پر عمل قوم کے اخلاقی معیار کے مطابق ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ مختلف تاویلوں اور بہانوں کی آڑ میں عملاً لسانی اقلیتوں کے بہت سے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ایسی صورت حال کے لئے جہاں اکثریت اور حکومت ذمے دار ہیں۔ وہاں ایک حد تک اُردو دوست بھی ذمے دار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آسمان سے ان کے لئے حقوق من و سلویٰ کی طرح برسیں۔ وہ اس کے لئے جدوجہد نہیں کر پاتے۔ وہ اُردو کے لئے جوشیلی تقریریں کر سکتے ہیں۔ بلکہ جان دینے کے لئے بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ مگر مسلسل کوشش، پیہم عمل، انتھک جدوجہد ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اُتّر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش کو ہمارے وزیر اعظم نے پچھڑی ہوئی ریاستیں کہا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ترقی کی دوڑ میں یہ ریاستیں دوسری ریاستوں سے پیچھے رہ گئی ہیں۔ اس کی ذمے دار جہاں برسر اقتدار طبقے کی گروہ بندی ہے وہاں ان ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کی بے اطمینانی اور بے دلی بھی ایک حقیقت ہے۔ جب تک ریاست کی پوری آبادی اپنے اپنے راستے سے ملک کی تعمیر کے کام میں شریک نہیں ہوگی ملک کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ اس سستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان ریاستوں میں جنھیں ہندی کی ریاستیں کہا جاتا ہے۔ ہندی کی ترقی کے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ ان علاقوں کی دوسری زبانوں کو ترقی کے موقعے نہ ملیں۔ ہندی کے یہ نادان دوست، در اصل اپنے انجان پن میں وطن دشمن کا رول ادا کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش اپنے قدرتی وسائل، اپنی شاندار روایات اور اپنے روشن امکانات کے باوجود ملک کی دوسری ریاستوں مثلاً مدراس اور پنجاب کے مقابلے میں پسماندہ کہے جا سکتے ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں مطلق پس و پیش نہیں کہ اس کے باوجود بہار کے اُردو دوستوں کی جدوجہد کی وجہ سے بہار میں اُردو کی پوزیشن حکومت کی غفلت اور کچھ طاقتور عناصر کی مخالفت کے باوجود اتر پردیش اور مدھیہ پردیش سے بہتر ہے۔ اگر حکومت اپنے فرائض سے غافل نہ ہوتی، اگر کچھ طاقتور عناصر اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہ کرتے تو نہ صرف اُردو کو ریاست میں اس کا جائز مقام ملتا بلکہ ریاست کی ترقی بھی اور نمایاں ہوتی۔ قافلے کی رفتار ہراول دستے سے نہیں اس کے عقبی دستے سے معلوم ہوتی ہے۔

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی چوتھی اور پانچویں رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری بہار کی ریاستی شاخ کتنی چوکس رہی ہے۔

(باقی سلسلہ صفحہ ۱۲ پر)

محمد انصار اللہ نظر

"تذکرۂ گردیزی"

سید فتح علی حسینی گردیزی کا "تذکرۂ ریختہ گویاں" اردو شعرا کے قدیم تذکروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے دیباچے میں پچھلے تذکروں پر اس طرح رائے زنی کی ہے :-

"از ملاحظہ تذکرہ اے اخوان زمان کہ مشتمل بر اسامی ریختہ گویاں عہد محررساختہ اند و علت غائی تالیف شان خوردہ گیری ہمسران و ستم ظریفی با معاصر آنست در اظہار مافی نفس الامر با یجاز پرداختہ بلکہ از جہت عدم اعتماد و قلت تتبع کردہ (؟) اکثر نازک خیالان رنگیں نگار را از قلم انداختہ مستفاد تصحیح اشعار و تحقیق اعزہ اغلاط صریح بکار بردہ و خطاہائے نمایاں کردہ اند" (دیباچہ ۳)

اب یہ کہنا کہ وہ کون کون سے تذکرے تھے جن کی طرف گردیزی نے اس اقتباس میں اشارہ کیا ہے، بہت مشکل ہے۔ البتہ قیاس کہتا ہے کہ شاید میر کا "نکات الشعرا" خاکسار کا "معشوق چہل سالہ خود" اور تذکرہ امام الدین خاں وغیرہ اس کے پیش نظر رہے ہوں، مولانا عبدالحق صاحب مرحوم فرماتے ہیں :-

"گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے" (مقدمہ نکات الشعرا: ج)

"قرائن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ میر کا تذکرہ اس (گردیزی) کی نظر سے ضرور گزرا ہے اور دیباچے میں جو اس نے تذکرہ نویسوں کے خلاف زہر اگلا ہے اس کا ہدف نکات الشعرا ہی ہے"

(مقدمہ تذکرۂ گردیزی: ۱۱)

یہ صحیح ہے کہ شعرا کے حالات اور اشعار کے انتخاب میں دونوں تذکروں میں بہت حد تک اشتراک ہے مثلاً بسمل، شاغل، تمکین، جگن، بیتاب، آزاد وغیرہ شعرا کے بعینہ وہی اشعار دونوں نے نقل کئے ہیں۔ گردیزی نے یہ بھی کیا ہے کہ جن شعرا کے حالات یا کلام اسے کچھ اور مل سکے ہیں اس نے داخل تذکرہ کئے ہیں۔ مثلاً بہار کے حالات میر صاحب نے ۴ سطر میں لکھے اور صرف ۹ شعر نقل کئے گردیزی نے سات سطروں میں حالات لکھے اور تیس شعر لکھے اسی طرح حزیں کا صرف ایک شعر میر صاحب نے لکھا تھا گردیزی نے سوا سو کے قریب اشعار داخل تذکرہ کئے۔ میر عبدالولی عزلت کی بیاض نکات الشعرا کے اہم ماخذ میں سے ہے اس سے میر صاحب نے حسیب کا صرف ایک شعر نقل کیا اور لکھا کہ "احوالش معلوم نیست" گردیزی نے اس کے برخلاف دو شعر لکھے اور حالات میں یہ بھی لکھا کہ :

"مولد و منشاش حیدرآباد در سخن میر عبدالولی عزلت استاد" (۵۲)

خود عزلت (جن کی فرمائش پر نکات الشعرا کا وہ مخصوص نسخہ لکھا گیا جس سے مطبوعہ تذکرہ کا متن تیار کیا گیا ہے) کے میر صاحب نے صرف اٹھارہ شعر لکھے جب کہ گردیزی نے ساٹھ سے زائد اشعار درج کئے ہیں، میر صاحب یہ کہہ کر بھی شاعر کا ذکر ختم کر دیتے ہیں کہ

"وبا فراغ تفصیل نہ دارم" (۱۴۳)

اتنا ہی نہیں بلکہ شعرا کے حالات لکھنے میں بھی میر صاحب ذاتی تعلقات کو اکثر فراموش نہیں کر پاتے چنانچہ خاکسار کی شاعری سے صریحی انکار کیا ہے :

"ایں چند شعری کہ بنام او نوشتہ می آید از فیض سخن است از و نیست"

اس کے علاوہ محمد معشوق کمبوہ کے نام سے یہ مصرعہ لکھا کہ :

"کتا ہے در یار کا کلو اس کا نام"

پھر خود ارشاد فرماتے ہیں :-

"چوں کلو اکثر نام سگہا می گزارند لطف بہم رسانیدہ ہر کہ دم لابہ او دیدہ است می داند" (۱۱۴)

میر حسن نے صاف الفاظ میں میر صاحب کے بیان کی تردید کی ہے (۶۱) علی لطف خاکسار کو "بڑا ہی مشاق زبان ریختہ کا" (۱۲۴) کہتے ہیں، مصحفی کے تذکرہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ "میر تقی میر در عالم شباب منظور نظر او بودہ" (تذکرہ ہندی ۸۸) وہ میر صاحب سے ہمیشہ نوک جھونک کرتا رہتا تھا (گلشن ہند ۱۲۴) میر صاحب نے اپنے تذکرہ میں غالباً بدلہ چکایا ہے، خاکسار کے تذکرہ کا ذکر میر صاحب نے خود کیا ہے۔ اس وقت تک نکات الشعرا زیر تالیف تھا اس واقعہ سے میر صاحب کے اس جملہ پہ حرف ضرور آسکتا ہے کہ :-

"کتابی تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران ایں فن بہ صفحہ روزگار بماند"

خاکسار سے غالباً گردیزی کے تعلقات بھی کچھ بہت استوار نہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس طرح رائے دیتا ہے :-

"محمد یار خاکسار ... بہر حال شعرش از موزونیت خالی نیست و آں کہ بعض اعزہ سر با انکار موزونیت او برآوردہ او را از زمرۂ شعرا خارج می کنند ناشی از ستم ظریفی و بے انصافی است و شعرش شعرائے مسلم بوجہ نازل (؟) البتہ است لیکن انکار موزونیت بہ چہ راہ ؟" (۵۲)

شیخ محمد حاتم کے متعلق بھی میر صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"می گوید کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم، مرد لیست جاہل و متکلم و تقطیع وضع ... دریافتہ می شود کہ ایں رنگ گہن بہ سبب شاعری است کہ ہم چو من دیگرے نیست دیا و مبیح او ہمیں است، خوب مدست مارا با اینہا چہ کار ..." (۵۵)

تمام تذکرہ نویس متفق ہیں اور اب یہ بات طے بھی ہو چکی ہے کہ حاتم نے بڑی لمبی عمر پائی، اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں وہ آبرو وغیرہ کے معاصر کی حیثیت بھی رکھتے تھے میر صاحب "می گوید" کہہ کر اس حقیقت میں اشتباہ پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ میر حسن کہتے ہیں کہ :-

"شاعر لیست صاحب کمال پسندیدہ، افعال عالی فطرت و بلند ہمت معاصر میاں آبرو" (۴۶)

اور تقریباً تمام تذکرہ نویس شاہ حاتم کی تعریف کرتے ہیں یہاں محض چند امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ گردیزی نے پچھلے تذکروں کے متعلق جو رائے دی تھی وہ حقیقت پر مبنی تھی، امور واقعی کی نشان دہی کر دینا اور "زہر اگلنا" ایک بات تو نہیں۔

گردیزی نے اپنے تذکرہ کی وجہ تالیف اس طرح بیان کی ہے:-

"بخاطر فاتر رسید کہ تذکرہ مرقوم سازد بی رو دید و از روی انصاف خالیاً عن الاعتساف و اسامی نامی شعرا را بہ ترتیب حروف تہجی بنویسد تا حاضران را تذکاری و غائبان را یادگاری بود"

اردو شعرا کے تذکروں میں سب سے قدیم یہ چار سمجھے گئے ہیں :-

۱- نکات الشعرا، از میر تقی میر
۲- گلشن گفتار، از خواجہ خان حمید
۳- تحفۃ الشعرا، از افضل بیگ قاقشال
۴- مخزن نکات، از قایم چاندپوری

(ان کے علاوہ معشوق چہل سالہ خود، تذکرہ سودا وغیرہ کے نام بھی آتے ہیں لیکن یہ ہماری دسترس میں نہیں)

مذکورہ چاروں تذکروں میں شعرا کے ناموں کی ترتیب بلحاظ حروف تہجی نہیں ہے۔ گردیزی نے ترتیب کا ایک الگ انداز اختیار کیا جو بہت بعد تک مقبول رہا (ضخیم ترین تذکرہ خمخانۂ جاوید میں بھی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہے) اس لحاظ سے اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ میں اس کو ایک نمایاں حیثیت دی جا سکتی ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہے کہ تذکرہ گردیزی کی بنیاد صرف نکات الشعرا نہیں ہے، بلکہ اکثر شعرا جن کے حالات میر صاحب نے کسی قدر تفصیل سے لکھے تھے اس میں بہت مختصر ہیں، مثلاً بیتاب، پیام اور ثاقب کے حالات نکات الشعرا میں بالترتیب چھ، سات اور چھ سطروں میں لکھے ہیں اور تذکرہ گردیزی میں دو، دو اور ایک سطر میں ان کا ذکر ہے۔ البتہ میر صاحب نے ثاقب کا صرف ایک شعر لکھا تھا گردیزی نے اس کے علاوہ دو اور لکھے، اس کے اسباب دو ہو سکتے ہیں :-

۱- گردیزی کے سامنے تذکرہ لکھتے وقت نکات الشعرا نہ رہا ہو،
۲- گردیزی نے کسی وجہ سے نکات الشعرا کو اپنا ماخذ بنانا پسند نہ کیا ہو۔

امکانات دونوں صورتوں کے ہو سکتے ہیں مخدومی مولانا امتیاز علی خاں عرشی صاحب مدظلہ نے ایک تفصیلی محققانہ بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ :-

"میر صاحب نے تقریباً ۱۱۶۱ھ میں یا اس کے کچھ بعد اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا" (دیباچہ دستور الفصاحت ۴۶)

اور "تذکرہ گردیزی کا آغاز ۱۱۵۶ھ کے قریب ہوا ہے" (ایضاً ۴۸)

اگر یہ صحیح ہے تو صاف ظاہر ہے کہ گردیزی نے میر صاحب کے تذکرے سے استفادہ نہیں کیا ۱۱۶۱ھ کے بعد البتہ کچھ رد و بدل کی ہو گی، لیکن مولانا کی بتائی ہوئی اس تاریخ میں چند قباحتیں ہیں سب سے پہلے یہ کہ گردیزی اپنے تذکرے سے پہلے چند تذکروں کے وجود کا معترف ہے، ۱۱۵۵ھ تک ہمیں کسی دوسرے تذکرے کے اختتام کا حال معلوم نہیں، ثانیاً اس صورت میں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کے اس قیاس کی تردید بھی لازم آتی ہے کہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب کے تذکرہ کے جواب میں لکھا تھا، لیکن اس کی تردید ابھی تک ہماری نگاہ سے نہیں گزری، خود مخدومی مولانا عرشی صاحب نے بھی اس کی تردید نہیں کی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نے خود مخزن نکات کے زمانۂ تالیف سے بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ :-

"قائم نے پہلے اپنا تذکرہ بیاض کی صورت میں مرتب کیا تھا اس بیاض کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلی تاریخ ۱۱۵۵ھ ملتی ہے۔ اس وقت تک اردو گو شاعروں کا کوئی تذکرہ مرتب نہ ہوا تھا" (دیباچہ دستور ۵۹)

اگر تذکرہ گردیزی کا آغاز ۱۱۵۶ھ میں مان لیا جائے تو مولانا کے اس فیصلے پر بھی حرف آتا ہے کیونکہ اس صورت میں تذکرہ گردیزی آغاز کے لحاظ سے اردو کا اولین تذکرہ قرار پائے گا، بلکہ آرزو کے تذکرہ مجمع النفائس پر بھی اس کا تقدم زمانی تسلیم کرنا پڑے گا جس کا آغاز مشفقی مولانا عرشی صاحب کی تصریح کے مطابق ۱۱۶۰ھ میں ہوا (دیباچہ دستور ۳۸) ایسی صورت میں مناسب ہے کہ تذکرہ گردیزی کے زمانۂ تالیف کی دریافت کے لئے دوبارہ جستجو کریں۔ پہلے اس کے سال اختتام کا پتہ لگانا مناسب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں "اضافوں کا سلسلہ ۱۱۶۵ھ تک جاری رہا" (دیباچہ دستور ۴۹) اس سلسلے میں چند اہم نکتے یہ ہیں :-

(باقی)

سہ لسانی کنونیشن اترپردیش کی مجلس استقبالیہ

لکھنؤ میں ۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء کو ہونے والے ریاستی سہ لسانی کنونیشن کے لئے مجلس استقبالیہ کا انتخاب، تیاری کمیٹی اور دوسرے محبان و ہمدردان اردو کے جلسے میں کیا گیا۔ جلسے کی صدارت اردو ادیب مسٹر ستیش بترا نے کی۔

جلسے میں طے کیا گیا کہ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کو کنونیشن میں خصوصی دعوت دی جائے۔

مجلس استقبالیہ کا حسب ذیل انتخاب متفقہ طور پر کیا گیا۔

صدر کیپٹن وی۔ آر موہن ایم ایل سی ڈپٹی میئر لکھنؤ کارپوریشن۔ نائبین صدر مسٹر رمیش سنہا۔ مولانا محمد قاسم۔ سردار کرنیل سنگھ۔ مسٹر ستیش بترا۔ جنرل سکریٹری۔ مولانا اسحاق سنبھلی ایم۔ ایل سی سکریٹری۔ گیانی مہیندر سنگھ اور مسٹر عابد سہیل۔

ممبران ایگزیکیٹو کمیٹی: پروفیسر مسعود حسن رضوی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، مسٹر گرپرشاد جرنلسٹ، ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، مسٹر فدا حسین رضوی، مسٹر عبد المنان ایڈوکیٹ، مسٹر آفتاب اختر، مسٹر مقبول احمد لاری، مسٹر سید عباس ایڈوکیٹ، مسٹر محمود حسن، مولانا محمد حسین خاں عرشی، مسٹر صلاح الدین، ڈاکٹر رغیب حسین، ڈاکٹر ایس۔ ایم شکیل، بیگم زیبا صلاح الدین، مسٹر سلیم شکیل احمد شمسی، مولانا عظمت اللہ، مسٹر امین سلونوی، حاجی سید محمد امین، مولانا عبد الرؤف۔ ایم۔ ایل سی اور مسٹر مختار احمد قدوائی ایم۔ ایل۔ سی۔

جلسے میں کنونیشن کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا اور یہ بھی طے ہوا کہ کنونیشن بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ میں کیا جائے۔

(ایس۔ ایم زکریا۔ آفس انچارج
مجلس استقبالیہ سہ لسانی کنونیشن)

ہندوستان میں امریکی تعلیمات کے مرکز کا قیام!

انڈین ایکسپریس میں یونیورسٹی نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق ہندوستانی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں امریکی تعلیمات کو ترقی دینے کی غرض سے ایک مرکز قائم کیا جائے گا۔ مرکز کے قیام کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اسکے قیام کا امکان ہے۔ ۲۲ یونیورسٹیوں میں امریکی ادب مضمون لینے اور ۱۹ یونیورسٹیوں میں امریکی تاریخ پڑھانے کی آسانیاں پہلے سے ہی حاصل ہیں۔ فی الحال اس کا دفتر عارضی طور پر امریکی ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے دفتر نئی دہلی میں قائم کر دیا گیا ہے۔ انفرادی ممبروں کے علاوہ اجتماعی ادارے مثلاً یونیورسٹیاں اور دیگر تعلیمی ادارے بھی اسکے ممبر بن سکتے ہیں۔

اردو ذریعہ تعلیم کا انتظام

(از تمیر سہ روزہ دار بجپ نگر)

۲۹ ستمبر عوام کی نمائندگی اور انتظامی سہولتوں کے پیش نظر تلگو میڈیم کی جماعتوں کے قیام کے ساتھ ساتھ اردو میڈیم کی جماعتوں کے قیام کے لئے اضلاع میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسروں کو محکمۂ نظامت تعلیمات نے اپنے مراسلہ R. C. 1334/1/62 مورخہ ۱۹ر ستمبر اختیارات دئے ہیں کہ آئندہ اردو ذریعہ تعلیم کی جماعتوں کے قیام کے لئے اضلاع ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسرز حسب ذیل شرائط کو ملحوظ رکھیں۔ (۱) ابتدائی و وسطانی کی جماعت کے لئے طلبہ کی تعداد ہر سکشن میں (۱۰) اور فوقانی طبقے کی ہر جماعت کے ہر سکشن کے لئے (۱۵) طلبہ کی تعداد کافی متصور ہوگی۔

شاد عارفی

غزل

ماحول بھی تو مژدۂ ابرِ بہار دے
یہ کیا؟ کہ باغباں سرِ گلشن پکار دے

دل کو جو تیری چشمِ تغافل پہ ہار دے
تو اس کو زحمتِ غمِ لیل و نہار دے

ہم جانتے ہیں تحمل کہاں تک کہاں نہیں
وہ اپنی انجمن کا ہمیں اختیار دے

اے چشمِ شکیباز بڑا نام ہو۔ اگر
دامن لپک اٹھے تو گریباں بہار دے

موقع جہاں ملا کہ قدم چوم لوں۔ مگر
یہ سوچتا رہا۔ کہیں ٹھوکر نہ مار دے

بدلی کے زاویوں کا جسے تجربہ نہیں
وہ بد مذاق ہی تری زلفیں سنوار دے

کیا اس کو اور کچھ بھی زمانے میں چاہیے
جس کو خدا جنوں میں متاعِ وقار دے

"دل بھی مثالِ" شمعِ شبستانِ انبساط"
رو کر گزارنی ہو تو شب بھر گزار دے

پردرد و چمن میں اگر خار ہیں تو کیا
ساغر ہمیں بھی۔ ساقیِ ابرِ بہار دے

بے اختیاریوں کا نتیجہ ہے "آرزو"
الفت نہ ہو جو دل پہ خدا اختیار دے

اے شاد سعیِ "تقدیر یا ضبط"[1] بھی ہو سکے
پیرِ مغاں اگر مئے "عرفاں" ادھار دے

---

[1] ضرب و ورد و وظائف

شہر میسور میں پہلا اردو برقی پریس

مادری زبان اردو کی ترقی کے بہی خواہوں کو یہ مسرت افزا خبر سنائی جاتی ہے کہ جناب سید اسد پیراں قناقادری نے شہر میسور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اردو زبان کی نشر و اشاعت کے لئے الیکٹرک مشین کو نصب کرکے اعلیٰ پیمانہ پر پہلا پریس قیام کی تجویز کی ہے۔ یہ ایک اہم اور قابل قدر قومی خدمت ہے۔

دی مغل لائن لمیٹڈ
حج سروس ۱۹۶۴ء

(۱) بمبئی سے بحری جہازوں کی روانگی: ہم نہایت مسرت کے ساتھ جہازوں کی روانگی کے عارضی پروگرام کا حسب ذیل اعلان کرتے ہیں۔ قانون کے مطابق مستقل تاریخوں کا اعلان ہر جہاز کی روانگی سے چندہ روز پہلے کر دیا جائے گا۔

نام بحری جہاز	بمبئی سے متوقع روانگی
محمدی	۱۸ر فروری سنہ ۱۹۶۴ء
مظفری	۲۰ر فروری سنہ ۱۹۶۴ء
سعودی	۲۶ر فروری سنہ ۱۹۶۴ء
محمدی	۵ر مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
مظفری	۸ر مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
اسلامی	۱۸ر مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
محمدی	۲۱ر مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
مظفری	۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
سعودی	۳ر اپریل سنہ ۱۹۶۴ء
محمدی	۶ر اپریل سنہ ۱۹۶۴ء
مظفری	۸ر اپریل سنہ ۱۹۶۴ء

(۲) کرایہ: بمبئی سے جدہ اور بمبئی کو واپسی کے اخراجات مندرجہ ذیل ہوں گے۔ ہر حالت میں واپسی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔

بمبئی / جدہ / بمبئی

	کرایہ	خوراک	جدہ کے صفائی محصول	کرایہ کلان	جدہ کے سفری اخراجات	کل میزان
فرسٹ کلاس						
بالغوں کے لئے	۱۱۳۲/-	۱۴۰/-	۶۶/۷۵	۱۳/۳۷	۴/-	۱۳۵۶/۱۲
بچے ۳ تا ۵ سال	۵۵۴/-	۸۵/-	-	-	-	۶۳۹/-
بچے ۱ تا ۲ سال	۵۵۱/-	-	-	-	-	۵۵۱/-
ڈیک کلاس						
بالغوں کے لئے	۴۰۷/-	۵۳/-	۶۶/۷۵	۱۳/۳۷	۴/-	۵۴۴/۱۲
بچے ۳ تا ۵ سال	۲۰۲/-	۲۶/۵۰	-	-	-	۲۲۸/۵۰
بچے ۱ تا ۲ سال	۲۰۲/-	-	-	-	-	۲۰۲/-

محمدی اور مظفری میں دس اور سعودی میں آٹھ دو برتھ والے کیبن ہیں۔ جن کے ساتھ غسل خانے بھی ملحق ان کا کرایہ فرسٹ کلاس کرایہ کے علاوہ فی برتھ مزید بیس روپے یک طرفہ دینا ہوگا۔ کسی جہاز میں ایک برتھ کی کیبن نہیں ہے۔

(۳) سفر کی پابندیاں: حاجیوں کی عام صحت اور بھلائی کے لئے حکومت ہند نے مندرجہ ذیل زمرہ کے اشخاص پر پابندیاں عاید کر دی ہیں۔ جن کو اس سال حج کے لئے اجازت نہ دی جائیگی وہ اپنی درخواست بھیجنے سے پہلے ان پابندیوں پر غور کر لیں:۔

(الف) ۵ سال سے زائد اور ۱۴ سال سے کم عمر کے بچے۔

(ب) جن لوگوں کے پاس ہندوستانی کرنسی کے ۸۰۰ روپے سے کم ہوں ان کو جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(ج) وہ اشخاص جو ۵ سال کے اندر یعنی سنہ ۱۹۵۹ء تا سنہ ۱۹۶۳ء میں فریضہ حج ادا کر چکے ہیں ایسے اشخاص کو حج بدل کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(د) وہ خواتین جو ۶ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی حاملہ ہوں۔

(ہ) وہ اشخاص جو مندرجہ ذیل بیماریوں میں مبتلا ہوں:۔

(۱) دماغی امراض (۲) دق یا سل (۳) قلبی امراض (۴) دمہ (۵) متعدی کوڑھ (۶) دیگر شدید متعدی امراض۔ ان امراض اور زیادہ مدت کے حمل کے بارے میں شبہ ہونے کی صورت میں بمبئی میں طبی معائنہ کے ذریعہ فیصلہ کرایا جائیگا۔ اس لئے عازمین کو اپنی درخواستوں میں غلط بیانی سے کام لے کر جہاز میں سیٹ ریزرو نہ کرانا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ پریشانی اٹھانا پڑیگی۔

(۴) نشستوں کے محفوظ کرانے کے قو...
ہیں (سوائے پردہ نشین خواتین کے) اشخا...
فوٹو چسپاں کر دیں اور فوٹو کی مزید چار کاپیاں...
ہر عازم حج کو ایک علیحدہ فارم پر بھی...
اگرچہ ایک سال کا بچہ سفر خرچ سے مستثنیٰ ہے...
سرپرست کے دستخطوں سے بھیجی جائے...
پیدائش کا سرٹیفکٹ منسلک کیا جائے۔ وہ...
کہ درخواست دہندہ نے گزشتہ پانچ سال میں...
امر کا ہونا ضروری ہے کہ درخواست دہندہ...
ہونا ضروری ہیں:۔

(۱) پورا نام (۲) باپ یا شوہر کا نام...
یا غیر ہندوستانی (۷) پورا پتہ مع ڈاکخانہ...
کا نام (۹) جہاز کا نام جس میں جگہ درکار...
جس میں جگہ مطلوب ہو (۱۱) پچھلے کس سال...

(۵) بحری جہاز میں جگہ کا ریزرویشن کر...

(الف) ڈیک کلاس

(۱) درخواست کے دو فارموں کی درست خانہ...
اور تین سے پانچ سال تک کی عمر کے بچے کا...
بذریعہ بینک ڈرافٹ جو بمبئی میں وصول کیا...
(۲) چیک یا منی آرڈر قبول نہیں کئے جائیں...
جائے اس پر ہر درجے کی درخواستوں کی...
ورنہ وہ لفافہ واپس کر دیا جائے گا۔
(۳) کرایہ کے بارے رجسٹر کرنے کے بعد...
نام اور رجسٹریشن کا سلسلہ نمبر ہوگا۔ عازمین...
(۴) ڈیک کلاس کے عازمین حج کو اپنی رسید...
اسی وقت جاری کیا جائے گا جب کہ وہ...
یہی فارم ان کی شناخت کا ذریعہ...

(ب) فرسٹ کلاس

اس کے قواعد وہی ہوں گے جو ڈیک کلاس...
کرایہ ۱۳۵۶/۱۲ اور تین سے پانچ سال...
کی عمر کے لئے ۵۵۱/- درخواست کے...
اور حلف نامے کے آ جانا چاہیے۔
فرسٹ کلاس کے عازمین حج جو...
کے لئے پیراگراف ۵ (۱) ب کے مطابق درخواست...
جائے۔ ڈیک کلاس کی بکنگ کی میعاد ختم ہو جا...

تار کا پتہ
"مغل" بمبئی ۱
"MOGUL"
BOMBAY-1.

...است دہندوں کے لئے جن میں خواتین بھی شامل
...ں درخواست کے فارم پر پاسپورٹ سائز کا
...سال سے کم عمر کے بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔
...ی چاہیے جس کی رو کا بیان ہونا ضروری ہیں
...ر درخواست علیحدہ دو فارموں پر انکے باپ یا
...خ عمر درج ہو جس کی تصدیق کے لئے باقاعدہ
...ساتھ ایک حلف نامہ اس امر کا ہونا چاہیے
...ایک مستند ڈاکٹر کا ڈاکٹری سرٹیفکٹ بھی اس
...ے یا نہیں ۔ درخواست میں مندرجہ ذیل تفصیلات

...عمر (۵) تاریخ پیدائش (۶) قومیت ہندوستانی
...است کے (۸) ہندوستان میں اپنے وارث
...ز میں جگہ نہ ہو تو دوسرے جہاز کا نام (۱۰) درجہ
...(۱۱) دستخط درخواست دہندہ (۱۲) درخواست کی تاریخ
...طریقہ حسب ذیل ہوگا:

...کے ساتھ ہر بالغ کا پورا کرایہ ۱۲/۱۴۰۵ روپے
...یک سے دو سال کے بچے کا -/۲۰۲ روپیہ پیشگی
...ل لائن کے نام بیمے کے ذریعہ بھیجا جائے۔
...فے میں بینک ڈرافٹ یا نقد روپیہ بھیجا
...ے کی رقم کی کل میزان درج ہونی چاہیے۔

...ن "فارم جاری کی جائے گی جس میں جہاز کا
...ط و کتابت کرتے وقت اس نمبر کا ضرور حوالہ دیں۔
...ا بحفاظت تمام رکھنا چاہیے کیونکہ ٹکٹ
...بمبئی میں ٹکٹ گھر کے عملے کے حوالے کر دیں

...رویشن کے لئے ہیں ۔ لیکن ہر بالغ کا پورا
...ے کے لئے -/۶۳۶ ، اور ایک سے دو سال تک
...کاپی کے ساتھ صحیح ڈاکٹری سرٹیفکٹ

...زم نے جانا چاہتے ہیں انھیں ڈیک کلاس
...۔ تاکہ گنجائش کے مطابق انکی جگہ کا بھی ریزرویشن کر دیا
...منظور نہیں کی جائیں گی۔

(۶) **ویٹنگ لسٹ:** ڈیک کلاس یا فرسٹ کلاس کے ویٹنگ لسٹ کا الگ سے کوئی اعلان نہیں ہوگا۔ جن درخواستوں کی نشستوں کا قطعی تحفظ نہ ہو سکے گا وہ ہر درجے کی متعینہ تعداد کو پورا کرنے کی غرض سے خود بخود ویٹنگ لسٹ میں درج کر دی جائیں گی۔ عازمین حج کو ہدایت کی جاتی ہے کہ حسب ترتیب جگہ کے تحفظ کا انتظار کریں۔ ویٹنگ لسٹ میں جو درخواستیں مقررہ اندراج اور ریزرویشن سے زیادہ ہوں گی وہ واپس کر دی جائیں گی۔

(۷) **بکنگ کی ابتدا:** عوام کی معلومات کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ فرسٹ کلاس کی کھڑکی پر کوئی درخواست نہیں لی جائے گی۔ اس لئے تمام درخواستیں مذکورہ بالا طریقے کے مطابق یا تو رجسٹری یا بیمے کے ذریعے اس طرح بھیجی جائیں کہ کمپنی کے پاس ۱۱ر نومبر ۱۹۶۳ء یا اس کے بعد پہنچ جائیں۔ اس تاریخ سے پہلے پہنچنے والی درخواست واپس کر دی جائے گی۔

(۸) **تنسیخ نشست:** اگر کوئی عازم حج اپنی نشست کو منسوخ کرانا چاہتا ہے تو وہ اپنی مقرر کردہ نشست کے منسوخ کرانے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۳ء تک بھیج دے ورنہ اس کی رقم میں سے روانگی کے وقت دس فی صدی وضع کر لیا جائے گا۔ مندرجہ ویٹنگ لسٹ عازمین کو بھی مقررہ جہاز کی روانگی سے دس دن پہلے اپنی سیٹ کے منسوخ کرانے کی اطلاع دے دینی چاہیے ورنہ ان کی رقم میں سے بھی ۱۰ فی صدی وضع کر لئے جائیں گے۔

(۹) عازمین حج سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے کنبے کے افراد، رشتہ داروں، دوستوں اور اپنے ان محلہ داروں سے صلاح و مشورہ کریں جو امسال فریضۂ حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس کے بعد وہ اپنی پسند کے بحری جہاز میں مقررہ تعداد میں محفوظ کرانے کی درخواستیں ایک ساتھ بھیجیں تاکہ وہ حسب منشا ایک ساتھ سفر کر سکیں۔

کوئی عازم حج اپنے نام کے بدلے میں کسی اور کا نام درج نہیں کرا سکتا ہے اور ایک جہاز کے ریزرویشن کو دوسرے جہاز میں بھی منتقل نہیں کرا سکتا ہے۔

(۱۰) **غیر ملکیوں کے لئے:** جو غیر ہندوستانی باشندے حاجیوں کے جہاز میں بمبئی سے جدہ تک نشست محفوظ کرانا چاہتے ہیں وہ ہندوستان میں اپنے سفارتی نمائندوں کے ذریعے درخواستیں بھیجیں بشرطیکہ ان کے پاس بین الاقوامی پاسپورٹ اور سعودی عربیہ کا منظور کردہ ویزا ہو۔ اور حج سے فارغ ہونے کے بعد جدہ سے بمبئی کے واپسی سفر کے باقاعدہ ویزا کا دوبارہ اندراج ہو۔ ایسے عازمین حج کے لئے صرف ڈیک کلاس کی نشست ایس ایس سعودی میں محفوظ کی جا سکے گی جسکی بمبئی سے متوقع روانگی ۲ر اپریل ۶۴ء کو ہے۔

(۱۱) عازمین حج سے گزارش ہے کہ وہ یہ نوٹ کر لیں کہ جدہ سے بمبئی واپسی کے لئے ہندوستانی سفارت خانہ مقیم جدہ میں اسی ترتیب سے نشستیں الاٹ کی جائیں گی جس ترتیب سے وہ جدہ میں پہنچیں گے۔

(۱۲) حج کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ایگزیکٹیو آفیسر پورٹ حج کمیٹی کارنیک روڈ بمبئی کو لکھئے۔

(۱۳) جگہ کے تحفظ کے سلسلے میں پوری تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر لکھیں:-

دی مغل لائن لمیٹڈ

۱۶ - بینک اسٹریٹ فورٹ بمبئی ۱

THE MOGUL LINE LIMITED

16, BANK STREET, FORT BOMBAY—1.

ٹیلیفون نمبر

ہیڈ آفس ۲۵/۳۸۰۲۲

بکنگ آفس
صابو صدیق مسافرخانہ
کرناک روڈ بمبئی ۱ ۲۶ - ۱۸۹۸

...ی بچت کی اسکیم میں شرکت کیجئے اور اپنے ملک کی مدد کیجئے

غلام ربانی

کوہ نور کی کہانی

کرشنا کی وادی دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی اس کی دولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں مربع میل رقبہ ہیرے کی کانوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان کانوں کے آدھے علاقے پر بیجانگر کے راجا راج کرتے تھے اور آدھے پر قطب شاہیوں کی حکومت تھی مگر ہیروں کی تمام کانیں گولکنڈہ ہی کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کانوں سے گاڑی بھر بھر کر ہیرے نکلتے تھے اور تمام دنیا کے لئے کافی تھے۔

کرنول سے ۱۰ میل جنوب میں رائل کوما ایک مقام ہے تلگو میں رائل کوما کے معنی "جواہرات کا قلعہ" ہیں۔ فرانس کے مشہور سیاح ٹیورنیر نے یہاں کی کان سے ہیرے نکلتے دیکھے تھے۔

یہاں سے وہ گنی کلور (Gani Kullur) گیا۔ اسی جگہ وہ کان تھی جس سے دنیا کا سب سے بڑا ہیرا نکلا اور بعد کو کوہ نور کہلایا۔

ٹیورنیر لکھتا ہے کہ یہ ہیرا ۱۶۵۶ء میں کان سے نکلا۔ یہ عبداللہ قطب شاہ کا زمانہ تھا۔ سلطان نے ناتراشیدہ حالت میں میر جملہ کے ذریعے شاہ جہاں کو پیش کیا۔ اس وقت اس کا وزن ۹۰۰ رتی (۷۸۷½ قیراط) تھا۔ ٹیورنیر نے اس کو اورنگزیب کے خزانہ میں دیکھا تھا اس وقت اس کا وزن ۳۱۹½ رتی (۲۷۹ قیراط) تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اس کو وینس (اٹلی) کے ایک شخص ہورٹن سیو بورگیو (Hortensio Borgio) نے تراشنے میں غلطی کی اور کچھ حصّہ گھسنے میں ضائع کر دیا۔

۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دلی کو لوٹا تو دریائے نور اور دوسرے ہیروں کے ساتھ یہ ہیرا بھی اس کو ملا نادر شاہ نے اس کا نام "کوہ نور" رکھا۔ یہ بادشاہ قلات میں (۱۷۴۷ء میں) قتل کر دیا گیا اور تخت کے ساتھ ہیرا بھی شاہ رخ کو ملا۔ چونکہ بغاوت میں احمد شاہ درّانی نے اس کا ساتھ دیا تھا شاہ رخ نے یہ ہیرا احمد شاہ کو دے دیا۔ اس نے وصیت کی کہ یہ ہیرا اس کے بیٹے تیمور کو دے دیا جائے۔ وہاں سے اس کے بیٹے شاہ زماں کو ملا جس کو اس کے بھائی محمد نے تخت سے اُتار دیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر قید کر دیا۔ مگر اس نے اس حالت میں بھی اس ہیرے کو چھپائے رکھا اور بقول الفنسٹن (Account of the Kingdom of Kabul) کچھ دن بعد یہ ہیرا قید خانہ کی کوٹھری کی دیوار میں چھپا ہوا پایا گیا جہاں بدنصیب شاہ زماں قید تھا۔ اس طرح اس کے تیسرے بھائی سلطان شجاع کے قبضے میں آگیا۔

۱۸۰۹ء میں شجاع کابل کا بادشاہ بنا۔ الفنسٹن نے اس کو شجاع کے کنگن میں جڑا دیکھا تھا۔ شجاع کو محمد نے تخت سے اتار دیا۔ شجاع وہاں سے شاہ زماں کے بیوی بچّوں کے ساتھ بھاگ گیا اور لاہور میں پناہ لی جہاں وہ رنجیت سنگھ کی نگرانی میں رہا۔

پنجاب پر اس وقت رنجیت سنگھ کی حکومت تھی اس نے شجاع کی بیگم سے وعدہ کیا کہ اگر کوہ نور مجھے مل جائے تو میں اس کے بدلے کشمیر کا ملک دے دوں گا۔ آخر کار ایک دن رنجیت سنگھ نے شجاع کو پگڑی بدل بھائی بنا لیا۔ کوہ نور اس وقت شجاع کی دستار میں تھا۔ اس طرح یہ ہیرا رنجیت سنگھ کو مل گیا۔ مذکورہ بالا واقعہ جنرل سلیمان (Sleeman) کے اس بیان سے ماخوذ ہے جس کو نابینا شاہ زماں نے جنرل موصوف کو سُنایا تھا۔ اس دوران میں کوہ نور پر تراش خراش ہوئی اور شاہ رخ، شاہ زماں یا شاہ شجاع کی مالی ضرورتوں کے سبب اس کا وزن ۸۳ قیراط کم ہو گیا تھا۔

۱۸۴۹ء میں جب پنجاب کا الحاق برطانوی ہند سے ہو گیا تو یہ ہیرا لارڈ لارنس کے سپرد کیا گیا اور طے پایا کہ اس کو حفاظت کے ساتھ ملکہ وکٹوریہ کے پاس بھیج دیا جائے۔

لارڈ لارنس کی ایک رشتہ دار مس فوربس (Forbais) کا بیان ہے کہ لارڈ لارنس کو بورڈ کے جلسے میں یہ ہیرا دیا گیا اس نے کوٹ کے اندر کی جیب میں رکھ لیا اور بھول گیا۔

چند ہفتے بعد اس کو اطلاع دی گئی کہ محفوظ سفر کا انتظام ہو گیا ہے۔ ہیرے کو بھجوا دیا جائے اب اسے ہیرے کا خیال آیا۔ گھبرا کر گھر گیا اور اپنے پرانے بٹلر کو بلایا۔ ہیرے کے بارے میں اس سے پوچھا۔ بڈھے بٹلر نے کہا "میں نے یہ سمجھ کر کہ شاید یہ کوئی کام کی چیز ہے اس کو بوتل کی ڈاٹ سمجھ کر بوتل خانہ میں رکھ دیا ہے جہاں اور ٹوٹے ہوئے کنستر اور ڈاٹیں پڑی ہیں۔ غرض وہ لندن بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد امسٹرڈم (ہالینڈ) میں تراشا گیا جس سے اس کا وزن گھٹ کر ۱۰۶ قیراط رہ گیا ہے۔ اب یہ ہیرا برطانیہ کے شاہی خاندان کی ملک ہے۔

مولنا سید کلب حسین کا انتقال

اُردو کے جادو بیان خطیب مولانا سید کلب حسین کا ۵ر اکتوبر کو ۷۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ اُن کی زبان گویا کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان تھی اور خطابت میں وہ یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

اُردو کے لئے آئینی جد وجہد مفید ہے

۹ ستمبر کے قومی آواز میں محترم قاضی عدیل عباسی صاحب کا مراسلہ نظر سے گزرا۔ اُن کی خدمتِ اُردو بڑی قابلِ قدر اور اُن کا جوش و جذبہ لائقِ تحسین ہے۔ تحریک چلانے والوں کو اپنے مقصد سے ایسی ہی والہانہ شیفتگی ہونا چاہئے لیکن انھوں نے جذبات میں بعض حقائق کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے خود اُردو کی تعلیم کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہے۔ جب سے اُردو کی تحریک چلی ہے میں نے اس کی تائید و حمایت میں سیکڑوں صفحات لکھے ہوں گے اور ہر تحریر میں اُردو کی حق تلفیوں اور حکومت کی زیادتیوں کو کھل کر بیان کیا ہے۔

میری جس تحریر پر قاضی صاحب کو اعتراض ہے اس میں بھی حکومت کی زیادتی کی پوری صراحت موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"حکومت جس شکل میں سہ لسانی فارمولے کو نافذ کرنا چاہتی ہے اس کا مقصد اب صرف یہ ہے کہ کہنے کے لئے اُردو کی تعلیم کے لئے گنجائش بھی رکھی جائے لیکن شکلیں ایسی اختیار کی جائیں کہ اس کی تعلیم کا دروازہ عملاً بند کر دیا جائے۔ سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں شامل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تعلیم کا انتظام تو ہر اسکول میں ہو جائے گا اور اُردو کا مشکل سے چند اسکولوں میں انتظام ہو سکے گا۔ اس طرح اُردو کی تعلیم خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

لیکن اسی کے ساتھ اُردو والوں کو بھی اپنا فرض یاد دلایا تھا کہ :-

"حکومت سے تو کسی انصاف کی توقع رکھنا بیکار ہے، اگر اُردو کے حامی اس کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں، تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جن طلبہ کی مادری زبان اُردو ہے وہ اُردو لینا اپنا فرض بنا لیں خواہ اس میں ان کو کچھ نقصان ہی برداشت کرنا پڑے۔ اگر اُردو پڑھنے والے طلبہ قابلِ لحاظ تعداد میں ہو جائیں گے تو سب میں نہیں کچھ نہ کچھ اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مگر سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ابتدائی سے لے کر اعلیٰ تعلیم گاہوں تک جہاں جہاں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے اس کے طلبہ کی تعداد برابر گھٹتی جا رہی ہے۔

مسلم اسکولوں میں بھی یہی افسوس ناک حالت ہے۔ ایسی حالت میں تنہا حکومت کی شکایت بیکار ہے۔ اس میں طلبہ اور اُن کے والدین کا بھی قصور ہے۔"

قاضی صاحب نے پہلے حصّے کو تو نظر انداز کر دیا اور دوسرے حصّے کے آخری فقروں کو قابلِ اعتراض ٹھہرا دیا۔ یہ مسلّم ہے کہ حکومت کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ زبان سے برابر اُردو کے حقوق کا اقرار اور اس کے لئے وعدے کرتی رہے گی لیکن عملاً وہ خود اور اس سے زیادہ شعبۂ تعلیم کا عملہ، جہاں تک ممکن ہے اُردو کو نہ پنپنے دے گا اور اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتا رہے گا۔ قاضی صاحب نے اپنے مراسلے میں جن دشواریوں کا حوالہ دیا ہے وہ سب تسلیم ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دشواریوں کے باوجود اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس کی یہی تین صورتیں ہو سکتی ہیں کہ قوت سے حکومت کا مقابلہ کیا جائے اور اگر ضرورت پڑے تو سول نافرمانی کی جائے لیکن اس سے جیسے جیسے فتنے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اس سے قاضی صاحب بھی ناواقف نہیں اور اُردو کو فائدہ پہنچنے کے بجائے اُلٹا نقصان پہنچ جائے گا۔ اس لئے اس کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے فیصلہ کرایا جائے۔ اس میں جو پیچیدگیاں اور دشواریاں ہیں ان سے ہم سے زیادہ قاضی صاحب واقف ہیں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ اُردو کے لئے آئینی جنگ جاری رکھی جائے اس سے جو حقوق حاصل ہوں ان سے پورا فائدہ اُٹھایا جائے اور مزید حقوق کے لئے جد و جہد کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ میرے خیال میں سب سے زیادہ مفید اور مناسب شکل یہی ہے۔

سہ لسانی فارمولے کی خامیوں اور دوسری دشواریوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فارمولے میں کسی نہ کسی حد تک اُردو تعلیم کی گنجائش ہے۔ اخباری اطلاعوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور دوسرے معتبر ذرائع سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے بعد سے متعدد ایسے اسکولوں میں اُردو کی تعلیم جاری ہو گئی ہے جہاں اس کا انتظام نہیں تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ ایک ہی فرقے کے یا دیہاتوں کے اسکولوں میں اس کے بعد بھی رکاوٹیں رہیں گی۔ لیکن کوشش سے ان پر بھی کسی نہ کسی حد تک قابو حاصل کیا جا سکتا ہے مگر شہروں کی بڑی آبادیوں اور مسلم اسکولوں میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ اگر اُردو کے طلبہ چاہیں گے تو آسانی سے انتظام ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور حکومت یا اسکولوں کا عملہ اس کا انتظام خود کرے تو یہ ممکن نہیں ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس امر کا مشاہدہ

پر جلد کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے طلبہ جو پہلے بھی اُردو لے سکتے تھے اور سہ لسانی فارمولے کے بعد بھی لے سکتے ہیں محض غیر واضح اُمیدوں اور موہوم خطرات کی بنا پر اس کو چھوڑتے جاتے ہیں مسلم اسکول آسانی سے پرائمری سیکشن میں اُردو کے ذریعے تعلیم دے سکتے ہیں لیکن عام طور پر ان میں بھی ہندی ذریعۂ تعلیم ہے۔

مسلم کالجوں میں جہاں اُردو کی تعلیم کا پورا انتظام ہے اُردو لینے والوں کی تعداد برابر گھٹتی جاتی ہے۔ اس کی مثال میں سینٹ اسٹیفل کالج کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس صوبے میں اب بھی ہائی اسکول کے امتحان کے جوابات اُردو میں لکھنے کی اجازت ہے لیکن طلبہ محض اس خوف سے اس کی ہمت نہیں کرتے کہ نمبر کم ملیں گے۔ ایک مستند روایت یہاں تک بتاتی ہے کہ جامعہ ملیہ دہلی کے ٹریننگ کالج کے امتحانات کے جوابات بھی طلبہ ہندی میں لکھتے ہیں۔ یہی حال کچہریوں میں اُردو کی درخواستوں کا ہے آخر اس ذہنیت کا کیا علاج ہے؟ مضامین کی نئی گروپ بندی تو... اس سال سے رائج ہوئی ہے اس سے پہلے اُردو کی تعلیم میں کون سی چیز مانع تھی پھر اس میں بھی لٹریری گروپ میں تو اُردو لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ البتہ سائنس میں یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ جو طلبہ اُردو لیں گے ان کو بیالوجی چھوڑنا پڑے گی۔

یہ کوئی بڑا عذر نہیں ہے ہر لڑکا ڈاکٹر یا بیالوجسٹ بننے سے رہا۔ اگر اُردو کو زندہ رکھنا ہے تو اس کے لئے کچھ ایثار تو کرنا ہی پڑے گا۔

سنسکرت کے لئے بھی یہی دشواری ہے۔ اس کے باوجود سنسکرت پڑھنے والے سنسکرت لے رہے ہیں۔ قاضی صاحب کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ مسلمان لڑکیاں تک جن کے سامنے مستقبل کا کوئی سوال نہیں ہے اُردو کے بجائے سنسکرت پڑھ رہی ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اُردو والے اس کے لئے زبانی شور و غوغا تو بہت کرتے ہیں لیکن اس کو زندہ رکھنے کے جو وسائل ان کے اختیار میں ہیں ان کو بھی بہت کم اختیار کرتے ہیں، حکومت کو جامعہ ملیہ کو اُردو یونی ورسٹی بنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس کے کارکن محض اس لئے اس کی ہمت نہیں کر رہے ہیں کہ اُردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے نہ ملیں گے۔ اُردو کی کتابوں اور اس کے اخبارات و رسائل کی اشاعت کا جو حال ہے وہ بھی قاضی صاحب سے مخفی نہ ہوگا۔

یہ ساری باتیں اس کا نتیجہ ہیں کہ حکومت نے اُردو کو اس قدر غیر اہم بنا دیا ہے کہ طلبہ اور اُردو والوں کی نگاہ میں بھی اس کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی ہے لیکن حکومت کی تو پالیسی یہی ہے۔ ہم اس کو کامیاب کیوں ہونے دیں۔

اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اُردو کو جو حقوق بھی حاصل ہوں ان سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں اور آئندہ کے لئے جد و جہد جاری رکھیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد اُردو سے جو نفرت پیدا ہو گئی تھی وہ رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ کچھ اُردو والوں کی جد و جہد سے اور زیادہ تر ہندوستان کے لسانی اختلافات کے سلسلے میں اُردو کو بھی سانس لینے کا موقع مل گیا ہے۔ اگر اس سے فائدہ اُٹھایا جائے تو آئندہ اور زیادہ آسانیاں پیدا ہوں گی۔ اس لئے حکومت پر الزام رکھنے کے ساتھ اُردو والوں کو بھی جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے۔ معارف میں طلبہ اور والدین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا اس کا مقصد یہی تھا۔

اس سلسلے میں اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ان حکومتوں کو چھوڑ کر جہاں صرف قانون کا راج ہے اور جس کی مثال اس جمہوری اور سیکولر زمانے میں بھی کم ملے گی، عام طور پر حکومتوں کی سیاست یہی ہوتی ہے کہ وہ اقلیتوں کو اپنی زبان اور اپنی تہذیب و روایات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں۔

پرانی گھاگھ اور تجربہ کار حکومتیں خوبصورتی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتی ہیں اور نوآموز اور ناتجربہ کار بھونڈے طریقے سے اور ہندوستان میں تو کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے اس جذبے کو اور بڑھا دیا ہے۔

اُردو کا مسئلہ بھی اسی جذبے کا نتیجہ ہے لیکن جن اقلیتوں میں زندگی کی طاقت ہوتی ہے اور خود اپنا کلچر اور شاندار روایات رکھتی ہیں وہ نہ صرف اپنا مستقل وجود بلکہ اپنی تمام خصوصیات قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، لیکن ان کا ایک خود غرض طبقہ ذاتی فائدے کے لئے اپنی ہر متاع عزیز چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ طبقہ ہندوستان میں بھی پیدا ہو چلا ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومت کو ملامت کرنے کے ساتھ اس کو بھی غیرت و حمیت دلائی جائے۔

محض حکومت کو بُرا بھلا کہنے سے کچھ حاصل نہیں، قومیں حکومتوں کے سہارے نہیں بلکہ اپنی قوت حیات اپنی جد و جہد اور اپنے ایثار و قربانی کے بل پر زندہ رہتی ہیں۔

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے۔ منیجر

بہار ریاستی اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس

۹ اکتوبر کو ریاستی انجمن ترقی اُردو کے زیر اہتمام جناب پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اُردو کی صدارت میں بہار اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس کا جلسہ پٹنہ میں ہوا۔ یہ کانفرنس حاضرین کارکنوں کی تعداد کے علی تجاویز اور دیگر اعتبارات سے بہت کامیاب رہی۔ صدر کانفرنس کے خطبے کے بعد (صدر کا خطبہ مکمل ہماری زبان میں شائع کیا جا رہا ہے) احمد سعید ملیح آبادی، منظور احمد اعجازی، محمد حسین آزاد، سردار گوجر سنگھ، اجتبیٰ حسین رضوی، مولانا مکرم بنارسی وغیرہ نے بھی کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے اُردو کے غیر مذہبی کردار پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ قومی اتحاد کے لئے اُردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہیئے۔

کانفرنس میں کئی مفید تجویزیں منظور ہوئیں جن کا خلاصہ یہ ہے:
(۱) کانفرنس نے حکومتِ بہار کی اس سرد مہری کی پالیسی پر تشویش کا اظہار کیا کہ اس نے حتمی وعدے اور واضح اعلان کے باوجود اب تک بہار کی اُردو آبادی کا مطالبہ یکسر نظر انداز کر دیا۔

اس اجلاس کی متفقہ رائے ہے کہ چونکہ (۱) دستورِ ہند کی دفعہ ۳۵۰ (الف) کی رو سے ہر طالب علم کو اپنی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا آئینی حق ہے (ii) دستور کی دفعہ ۳۵۰ (ب) کی رو سے صدر جمہوریہ کے نامزد لسانی اقلیتی کمشنر برائے ہند نے اپنی مختلف سالانہ رپورٹوں میں اس پر زور دیا ہے کہ ابتدائی درجوں میں مادری زبان کے ذریعے تعلیم دینے کی ضمانت ہونی چاہیئے۔ (iii) اور اس غرض سے کمشنر مذکور نے ۶ ماہ پیشتر سے اسکولوں میں درخواست داخلہ کے اندراج کا رجسٹر رکھنے کی تجویز کی ہے۔ (iv) خود حکومتِ بہار نے اس تجویز کو منظور کر کے دسمبر ۱۹۶۱ء کو ایک پریس نوٹ جاری کیا۔ (v) خود وزیر اعلیٰ نے وزیر صحت، وزیر تعلیم اور وزیر قانون حکومت بہار کی موجودگی میں ۱۷ جنوری ۱۹۶۲ء کو بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو کے ایک وفد کو یقین دلایا کہ ریاستی حکومت جلد ہی ایک اسپیشل آفیسر برائے لسانی اقلیت مقرر کریگی جو لسانی اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کا جائزہ لے کر حکومت کو رپورٹ پیش کرے۔ (vi) وزیر اعلیٰ نے اسی تاریخ پر ایجوکیشنل پلاننگ کمیٹیوں میں انجمن کے نمائندوں کو نامزد کرنے کا بھی وعدہ فرمایا تھا مگر باوجود ان تمام باتوں کے ریاست بہار میں اُردو طلبہ کو اپنی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا غیر اطمینان بخش انتظام ہونا نہایت سنگین معاملہ ہے۔ یہ اجلاس حکومت کی اس غیر دانشمندانہ اور جانبدارانہ پالیسی کی سخت مذمت کرتا ہے اور حکومت بہار سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے فوراً ایک اسپیشل آفیسر کی تقرری عمل میں لائے۔ (۲) ایجوکیشنل پلاننگ کمیٹیوں میں انجمن کے نمائندے نامزد کرے۔ (۳) ابتدائی اسکولوں میں داخلے کی درخواستوں کے اندراج کا رجسٹر رکھے جانے پر عمل کرائے جس میں مادری زبان کا خانہ ضرور ہو۔ (۴) ابتدائی منزل میں پڑھانے والے استادوں کے لئے ریاست میں ٹریننگ مراکز کھولنے کا انتظام کرے۔ لڑکیوں کے لئے علیحدہ انتظام کیا جائے۔ (۵) اُردو مکاتب کا معائنہ اُردو داں انسپکٹروں کے ذریعہ کرایا جائے۔ (۶) اُردو طلبہ کے لئے تمام مضامین میں اُردو کی نصابی کتابیں فراہم کرنے کا انتظام کرے۔ (۷) اُردو اسکولوں میں اُردو داں سائنس رکھے جائیں۔

ریاست میں پرائمری تعلیم میں اُردو تعلیم کی صورت حال کے پیش نظر ضروری ہے کہ اُردو آبادی بھی وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے اپنی اگلی نسل کو تباہی سے بچانے کے لئے میدان عمل میں کود جائے۔ اس غرض سے یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ مسٹر محمد ایوب ایڈوکیٹ کی قیادت میں کانفرنس کا ایک وفد اسی مہینے کے اندر وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم سے ملاقات کر کے کانفرنس کی تجویزوں کی بنیاد پر اپنے مطالبات پیش کرے۔ نیز ریاستی انجمن ترقی اُردو کا ایک ذیلی شعبہ قائم کیا جائے جو ریاست بھر میں اُردو پرائمری تعلیم کی دیکھ ریکھ کرے اور کانفرنس کی تجویزوں کو بروئے کار لانے کی سعی کرے۔ کانفرنس کی کامیابی کے لئے ریاستی شاخ کے صدر محمد ایوب ایڈوکیٹ، جنرل سکریٹری جناب صدیقی اور بہار کے پرجوش کارکن غلام سرور خاص طور سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے نمائندوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔

اُردو کے مایۂ ناز شاعر سکندر علی وجد کی

شاہکار نظموں اور غزلوں کا تازہ مجموعہ

اوراقِ مصوّر

جو حسنِ کلام اور حسن طباعت کے اعلیٰ ترین معیار کا حامل ہے

۲۷۰ صفحات۔ دو رنگ کی بہترین ٹائپ کی چھپائی

نفیس ترین جلد پوش قیمت سات روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳

بقیہ

اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس بہار کا خطبۂ صدارت

اس نے جہاں غفلت یا بے حسی یا بے انصافی دیکھی ہے، فوراً متعلقہ حضرات کو توجہ دلائی ہے۔ اسے کامیابی بھی ہوئی ہے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ اکثر اس کی فریاد صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ کبھی اس کے جائز مطالبے اس طرح منظور کئے گئے ہیں گویا بڑا احسان کیا جا رہا ہے۔ اور تو اور خود لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے جابجا اس کا شکوہ کیا ہے کہ بعض ریاستی حکومتیں اس کی سفارشات کو وہ اہمیت نہیں دیتیں جو انھیں دینی چاہیے۔

ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جو حقوق ہمیں دستور سے ملے ہیں ان سے ہم کسی طرح دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ابتدائی تعلیم کے لئے، ثانوی تعلیم کے لئے، اعلیٰ تعلیم کی منزل پر، ملازمتوں کے متعلق، سرکاری کاروبار کے سلسلے میں اپنی آواز قومی نقطۂ نظر سے حکومت تک پہنچانی ہے اور اس وقت تک ایسا کرنا ہے جب تک کہ ہمیں بھی ضرورت باقی رہتی ہے۔

لیکن اب یہ کافی نہیں۔ ہمیں خود بھی کچھ کرنا چاہیے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر خود ہم کچھ کریں گے تو نہ صرف اس میں کامیابی ہوگی بلکہ پھر حکومت سے کرانے کے امکانات بھی زیادہ روشن ہو جائیں گے۔ گویا آج دوسرا طریقہ پہلے طریقے سے زیادہ جامع معلوم ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ اور اس کا سیدھا سادہ جواب ایک ہی ہے کہ ہمیں بہت بڑی تعداد میں اپنے اسکول قائم کرنے چاہئیں جہاں ہم اپنی زبان میں، اپنی ضروریات کے مطابق تعلیم دے سکیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کام میں ہماری ممکن مدد کرے۔ دستور کی چند دفعوں کا حوالہ بیجا نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۹ (۱) شہریوں کا کوئی فریق جو ہندوستان کے حدود یا اس کے کسی حصے میں رہتا ہے اور جو کہ اپنی ایک ایک مخصوص زبان، رسم خط یا تہذیب رکھتا ہے اس کی حفاظت کرنے کا حق رکھتا ہے۔

(۲) کسی شہری کو مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان سب کی بنا پر کسی ایسے ادارے میں داخلے سے منع نہ کیا جائے گا جو حکومت چلاتی ہے یا جسے حکومت کے فنڈ سے امداد ملتی ہے۔

دفعہ ۳۰ (۱) تمام اقلیتوں کو خواہ ان کی بنیاد مذہب پر ہو یا زبان پر اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق ہوگا۔

(۲) تعلیمی اداروں کو امداد دینے میں، حکومت کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس وجہ سے امتیاز روا نہ رکھے گی کہ وہ (ادارہ) کسی اقلیت کے انتظام میں ہے، خواہ وہ اقلیت مذہب کی بنا پر ہو یا زبان کی بنا پر۔

دفعہ ۳۵۰- ہر شخص کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی شکایت دور کرانے کے لئے مرکز یا ریاست کے کسی افسر یا کسی صاحب اختیار کے سامنے کسی بھی زبان میں جو ریاست میں یا مرکز میں استعمال ہوتی ہو (جیسی کہ صورت ہو) ابتدائی تعلیم کی منزل پر عرضی پیش کر سکے۔

۳۵۰ (الف) ہر ریاست اور ریاست کے اندر ہر مقامی اتھارٹی کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ ان بچوں کو جو لسانی اقلیتوں کے ہیں ابتدائی تعلیم کی منزل پر مادری زبان کی تعلیم کے لئے مناسب سہولتیں مہیا کرے اور صدر کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کسی ریاست کو ان سہولتوں کے مہیا کرنے کے لئے جو ہدایات وہ مناسب سمجھے جاری کرے۔

ان تحفظات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر لسانی اقلیت جو ادارے چاہے قائم کر سکتی ہے۔ اور یہ ادارہ ہر قسم کی امداد کا مستحق ہوگا نیز ریاستی حکومتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اقلیتوں کے بچوں کے لئے ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کریں۔ اگر وہ ایسے انتظام کے لئے پوری کوشش نہیں کرتیں تو دستور کی خلاف ورزی کرتی ہیں نیز ہر ایسی زبان میں جو ریاست میں استعمال ہوتی ہے عرضی دی جا سکتی ہے اور کوئی اس کے لینے سے انکار نہیں کر سکتا۔

آزادی کے بعد کے پندرہ سولہ سال کا تجربہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ریاستی حکومتیں اس سلسلے میں اپنے فرائض سے غافل رہی ہیں اور جو کچھ اس سلسلے میں ہوا ہے وہ صرف اُردو دوستوں کی توجہ دلانے، کوشش کرنے اور آواز بلند کرنے کا اثر ہے۔ یہ سلسلہ تو ہر حال میں جاری رہنا چاہیے۔ کیونکہ غالب کہہ گیا ہے ؎

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

لیکن اب ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ خود جو کر سکتے ہیں کریں۔ اس اقدام کا جواز یہ ہے :-

(اول) اُردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام خود بخود نہیں ہوتا، اور جب ہوتا ہے تو ناکافی ہوتا ہے۔

(دوم) اگر اسکول کھولنے کا حکم بھی ہو جاتا ہے تو اساتذہ اور کتابوں کی فراہمی کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

(سوم) کتابوں کا نصاب اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ اُردو زبان کی بنیاد صحیح نہیں ہوتی ہے۔ کبھی اُردو نظم کی خصوصیات کو نظر انداز کیا جاتا ہے، کبھی نثر کے سبق یک رخے ہوتے ہیں۔ (باقی)

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضیاء الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔